شرعی عدالت کی دینی حیثیت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۱ /اگست ۱۹۸۴ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۹﴾ (النساء: ۵۹)

اور پھر فرمایا:

پاکستان سے بعض دوست جو یہاں تشریف لائے اور مجھ سے ملاقات کا بھی ان کو موقع ملا اور مجھے ان سے ملاقات کا موقع ملا ان کی بعض باتوں سے مجھ پر یہ تاثر ہے کہ پاکستان کے بعض احمدی اس بارہ میں تشنگی محسوس کرتے ہیں کہ شرعی عدالت کی شرعی حیثیت کیا ہے اور ان کی یہ خواہش ہے کہ اس موضوع پر میں نسبتاً تفصیل سے روشنی ڈالوں کہ قرآن اور سنت کی رو سے شرعی عدالتوں کے قیام کا کس حد تک جواز ہے؟ کس کو یہ حق ہے؟ ان کے فیصلے کی شرعی نوعیت کیا ہوگی؟ اور جو ایسی عدالت میں جائیں ان پر پھر شرعی ذمہ داری کیا عائد ہوتی ہے؟

چنانچہ اس پہلو سے جب میں نے قرآن کریم پر غور کیا تو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ شرعی عدالت کے قیام کے نظام کا قرآن کریم میں کوئی ذکر نہیں۔ ایک ہی شرعی عدالت کا ذکر ملتا ہے اور وہ جو اللہ کا رسول ہے یعنی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ جو اس قانون کے تابع ہے جس کو شریعت

کہا جاتا ہے چنانچہ جب بھی اختلاف کی صورت ہو ہدایت یہ ملتی ہے۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ (النساء:٦٠)

نہ کسی عدالت کا ذکر نہ کسی حاکم یا آمر کا ذکر۔ فرمایا جب بھی تمہارا اختلاف ہو ایک ہی شریعت ہے اور ایک ہی عادل ہے اس شریعت کا تو اللہ یعنی قرآن کی طرف رجوع کرو اور شریعت کے فیصلوں پر خدا نے جسے مقرر فرمایا ہے اس کی طرف رجوع کرو۔ اس کے علاوہ تنزل کے طور پر اگر دوسرے درجہ پر اتر کر دیکھیں تو پھر خلیفہ وقت کی حیثیت بنتی ہے شرعی عدالت کا فیصلہ کرنے کی۔ یعنی وہ بھی خلافت کے رنگ میں شرعی عدالت کہلا سکتا ہے لیکن وہ لوگ جن کی یہ ساری شرعی عدالتیں ماضی میں رہ گئی ہوں ان کے لئے کیا صورت ہے؟ نہ کوئی ایک خلیفہ ہو جس کی وہ متابعت کرنے کے پابند ہوں اور نہ کوئی اتحاد ہو عالم میں، بے انتہا اختلافوں کی امت شکار ہو چکی ہو تو کیا قرآن کریم اس صورت حال پر بھی روشنی ڈالتا ہے اور کوئی طریق کار بیان فرماتا ہے جس سے عدالتیں شرعی عدالتیں کہلا سکیں؟ تو یہ کیسی عظیم کتاب ہے کہ اس صورت حال کا بھی ذکر فرماتی ہے لیکن عدالت کے قیام کا حق کسی کو نہیں دیتی۔ ہر عدالت کو ایک لائحہ عمل دیتی ہے، ایک نصیحت کرتی ہے کہ اگر تم اس طریق کار کے مطابق کام کرو گے تو تمہاری حیثیت شرعی عدالت کی حیثیت ہو جائے گی اور وہ یہ قانون ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ (النساء:٦٠)

کہ اے دنیا کی تمام عدالتو! اگر تم چاہتے ہو کہ خدا کی نمائندگی تمہیں بھی نصیب ہو جائے تو قطع نظر اس کے کہ تمہیں کس نے مقرر کیا ہے؟ کیا تمہاری حیثیت ہے، اپنے ملک میں یا بین الاقوامی حیثیت کے لحاظ سے ایک بات کے پابند ہو جاؤ: اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ (النساء:٦٠) عدل سے کام لو اور اگر تم عدل سے کام لو گے تو خدا کی نظر میں تمہارا یہ فیصلہ درست اور شرعی فیصلہ ہوگا اور اگر عدل سے گر جاؤ گے تو قطع نظر اس کے کہ تمہیں کس نے مقرر کیا ہے کسی اسلامی حکومت نے مقرر کیا ہے یا عیسائی حکومت نے مقرر کیا ہے بہر حال جو بھی تمہارا فیصلہ ہوگا اس کو شریعت محمدیہ سے کوئی نسبت نہیں ہوگی۔

دوسری جگہ جہاں تنازعہ کا ذکر فرمایا وہاں بھی عدالت تو مقرر نہ فرمائی لیکن یہ طریق ضرور

سمجھا دیا کہ جب بھی تمہارا اختلاف ہوا کرے اس وقت تم نے آمر کی بات نہیں ماننی بلکہ قرآن اور سنت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس کے سوا کسی شرعی عدالت کے طریق کار کا کوئی ذکر قرآن کریم میں نہیں ملتا لیکن جہاں تک بعد کے زمانے کے علما کے من گھڑت قصے ہیں ان پر بنا کی جاتی رہی۔ وہ جو بعد کے سلاطین کے زمانہ میں پیدا ہونے والے جو علما تھے جنہوں نے سلاطین وقت کو خوش کرنے کے لئے شریعت کے ساتھ بھی کھیل کھیلنے میں کوئی حرج نہ سمجھا انہوں نے سلاطین کو بعض حقوق دیئے اور قطع نظر اس کے قرآن کس سلطان کو حکم دیتا ہے کہ نہیں اسے انہوں نے تسلیم کیا۔ چنانچہ موجودہ شرعی عدالت یعنی So Called مزعومہ طور پر جسے شرعی عدالت کا نام دیا گیا ہے اس کی بھی یہی حیثیت ہے۔ تمام بحث کے دوران احمدیت کے مخالف علما سلاطین کے حقوق کا ذکر کرتے رہے۔ نہ قرآن کا ذکر نہ رسول کا ذکر بلکہ سلاطین کو یہ حق ہے جو مسلمان سلطان ہو اس کو یہ حق ہے کہ یہ کرے، اس کو یہ حق ہے کہ وہ کرے اور اس حق کی بحث میں یہ بتاتے رہے کہ فلاں فقیہہ نے یہ کہا ہے کہ حق ہے، فلاں عالم نے یہ کہا ہے کہ یہ حق ہے، قرآن نے کہاں سلطان کا حق مقرر فرمایا ہے اور کس تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے اس کا کوئی ذکر نہیں۔

چنانچہ اگر سلاطین کی بحث کو لیجئے تو اس پر مزید غور کرتے ہیں کہ شرعی عدالت پھر کیسے بنے گی۔ جب تک سلطان نہ پہلے بن جائے جس کو شریعت حق دے سلطانی کا اس کے شرعی عدالت بننے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر سلطان کو کوئی شرعی عدالت بنانے کا حق بھی ہو تو اول تو وہ قرآن کریم کی اس واضح ہدایت کے تابع رہے گا حق:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا (النساء: ۶۰)

عام حالات تو کیا اگر کسی قوم سے دشمنی بھی ہو تو کوئی عدالت بھی اگر عدل سے عاری ہوگی، گر جائے گی عدل کے مقام سے تو قرآن کی رو سے وہ شرعی عدالت نہیں رہے گی مگر اس سے قطع نظر ہم فی الحال سلطان کی طرف چلتے ہیں کہ سلطان ہے کیا چیز؟ قرآن کریم کس کو سلطان کہتا ہے اور جس کو سلطان کہتا ہے کیا اس کو شریعت کی نمائندگی کا بھی حق ملتا ہے؟ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت ہو تو ان کا سلطان شرعی نمائندہ کہلا سکتا ہے۔ غالباً یہی موقف تھا جو وہ لیتے رہے لیکن وہ کس قسم کا سلطان ہو؟ کیا موروثی سلطان کو قرآن کریم شرعی حق دیتا ہے سلطانی کا یا ایسے انقلاب کے

ذریعہ آنے والے سلطان کو حق دیتا ہے جو عوامی انقلاب ہو یا فوجی جتھا کے ذریعہ آنے والے آمر کو قرآن کریم سلطانی کا حق دیتا ہے؟ یہ تین بنیادی سوال ہیں جب تک یہ طے نہ ہو جائیں کیسے پتہ چلے گا کہ کوئی سلطان شریعت کے لحاظ سے حکومت کا حق بھی رکھتا ہے کہ نہیں رکھتا؟ اس لئے ان تین پہلوؤں پر کوئی بحث میرے علم میں نہیں آئی حالانکہ یہ بنیادی باتیں تھیں۔ جب تک پہلے کسی کی سلطانی کا حق مسلّم نہ ہو جائے اس کے بغیر اگلے حقوق اس کو کس طرح مل سکتے ہیں اور پھر شریعت سے کھیلنے کا حق یہ سب سے بنیادی چیز ہے۔ یہ فیصلہ ہونا چاہئے تھا کہ قرآن اور رسول کے فرمودات کے مطابق اس طرح سلطان بنا کرتے ہیں؟ اسلام انتظار کیا کرتا ہے فوجی انقلاب کا؟ جب کسی ملک میں فوجی انقلاب آ جائے تو قطع نظر اس کے کہ سارا ملک اس سے بیزار ہے یا نہیں بیزار، اس کے حق میں ہے یا مخالف ہے، شریعت اسلامیہ فوراً اپنے تمام حقوق اس کو تفویض فرما دیتی ہے اور کہتی ہے جاؤ اب سلطانی کے حقوق کے مزے لوٹو اور شریعت کے نام پر جو چاہو فیصلے کرو قرآن تمہارے پیچھے اور رسول تمہارے پیچھے ہے۔ یہ فیصلہ اگر ہے تو پھر دینا چاہئے تھا کیونکہ اس کے بغیر تو اگلا فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا لیکن یہ خاموش فیصلہ ہے جو عملاً دے دیا گیا ہے۔ سب سے بڑا ظلم جو اسلام کے نام پر ہوا یہ ہوا ہے۔

جب اگلا قدم اٹھا لیا گیا تو یہ تسلیم شدہ فیصلہ ہے اس کے اندر کہ شرعی عدالت کے نزدیک یعنی جو پاکستان کی شرعی عدالت ہے ہر وہ فوجی جو فوجی طاقت کے ذریعہ ملک میں انقلاب برپا کر کے اس کو اسلام سلطانی کے حقوق دیتا ہے قطع نظر اس کے کہ جمہور اس کو تسلیم کریں یا نہ کریں اور پھر قرآن اور سنت کی نمائندگی کا حق دیتا ہے، قرآن اور سنت کے نام پر جو چاہے آرڈیننس جاری کرے اور جو چاہے شریعت میں مداخلت کرے اس کی بات مانی جائے گی اور جس عدالت کو وہ شرعی عدالت قرار دے دے اس عدالت کے سارے فیصلے شرعی کہلائیں گے۔ یہ ان لفظوں میں نہیں کہا گیا کیونکہ ان کی بنیاد کوئی نہیں تھی لیکن جب عدالت نے اپنا حق تسلیم کر لیا شرعی عدالت کہلانے کا تو یہ اس کے اندر مضمر باتیں ہیں خود بخود اس کے اندر داخل ہو گئیں۔

مگر اس فیصلے کے بعد نظر کرتے ہیں کہ عالم اسلام یا تو نبوت کے نیچے ایک رہتا ہے یا خلافت کے نیچے ایک رہتا ہے، جب سلطانیاں شروع ہو جاتی ہیں وہ تو بٹ جایا کرتا ہے اور یہی ہوا اسلام کے ساتھ۔ آج ایک سلطان تو نہیں ہے آج تو بہت سے سلاطین ہیں، کوئی سعودی عرب کا

سلطان ہے، کوئی ایران کا سلطان ہے، کوئی شام کا سلطان ہے، کوئی لیبیا کا سلطان ہے، کوئی شمالی یمن کا سلطان ہے اور کوئی جنوبی یمن کا سلطان ہے اور ایک پاکستان کا بھی سلطان ہے۔ تو سوال یہ ہے شریعت کی رو سے اب یہ فیصلہ تو ضروری ہے کہ ان سلاطین میں سے جو مختلف نوعیت کے سلاطین ہمیں نظر آتے ہیں اور ان کے رجحانات بھی الگ الگ ہیں، اسلامی شریعت کس کو اسلام کی نمائندگی میں سلطانی کا حق دے رہی ہے اور وہ تمیز کونسی ہے جس کی رو سے ہم یہ کہہ سکیں کہ پاکستان کا سلطان تو شرعی سلطان ہے لیکن ایران کا سلطان شرعی سلطان نہیں۔ سنی سلطان تو شرعی سلطان ہے لیکن شیعہ سلطان شرعی سلطان نہیں۔ شمالی یمن کا سلطان جو سعودی عرب کے ساتھ رجحان رکھتا ہے وہ شرعی سلطان ہے لیکن جنوبی یمن کا سلطان شرعی سلطان نہیں حالانکہ دونوں مسلمان ممالک ہیں۔ لیبیا کا سلطان تو شرعی سلطان ہے لیکن مصر کا سلطان یا سوڈان کا سلطان شرعی سلطان نہیں یا یہ کہ عراق کا سلطان تو شرعی ہے لیکن شام کا نہیں ہے۔ تو یہ تفریق کس آیت کی رو سے کس حدیث نبوی کی رو سے ہوگی، جب تک ہم اس بحث میں نہ داخل ہوں پہلا فیصلہ خواہ دھاندلی سے بھی کیا گیا ہو بے معنی ہو جایا کرتا ہے اور بے معنی ہو جائے گا۔ اگلے فیصلے میں سوائے اس کے چارہ نہیں کہ ہر سلطان کو اسلامی شریعت کا سلطان مانا جائے اس کے بغیر تو آپ اس مخمصے سے نکل ہی نہیں سکتے۔

اب ان سلطانوں کو شرعی عدالتیں قائم کرنے دیجئے۔ ایک شرعی عدالت خمینی صاحب کے تابع ہوئی ہے ایک نمیری صاحب کے تابع بنی ہے، ایک جنرل قذافی کے تابع بن گئی ایک پاکستان میں بنی ہوئی موجود ہے پہلے سے ہی۔ اور سعودی عرب کی بھی شرعی عدالتیں ہیں تو ایک ہی موضوع پر ان سب کے فیصلوں کا اختلاف کیا نتیجہ نکالے گا کہ اسلام کی تعلیم اس طرح آپس میں بٹی ہوئی ہے جس کے متعلق قرآن کا دعویٰ تھا کہ کوئی تضاد تمہیں ساری کائنات میں نظر نہیں آئے گا اس کا کلام اس طرح تضادات کا شکار کہ ہر سلطان دوسرے کا دشمن، ایک دوسرے کا مخالف، ایک دوسرے کی طرز حکومت کو غلط قرار دینے والا اور قرآن کہتا ہے یہ سارے سلطان درست کہہ رہے ہیں ہم نے حق دیا ہے اور ہر سلطان کی شرعی عدالت ایک الگ فیصلہ کر رہی ہے اور اس فیصلے کی رو سے اگر اس فیصلے کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ حق بنے گا کہ ہر شرعی عدالت کا فیصلہ عین قرآن کا فیصلہ ہے۔ جب ایک سلطان کہہ رہا ہے کہ فلاں بات یوں ہے، یوں نہیں ہے یا اسکی شرعی عدالت کہہ رہی ہے کہ فلاں بات یوں نہیں ہے اور دوسری

عدالت کہہ رہی ہے کہ نہیں تم غلط کہتے ہو یہ شیعہ نقطۂ نظر سے ہوگی ہمارا فیصلہ ہیکہ یہ نہیں ہے۔

ایک شرعی عدالت کہہ رہی ہے کہ وھابی یا اہل حدیث نقطۂ نظر سے یہ فیصلہ ہم دیتے ہیں اور ایک شرعی عدالت کہہ رہی ہے کہ بالکل غلط بریلوی نقطۂ نگاہ سے تو یہ فیصلہ ہے اور چونکہ ہمارے ملک میں بریلوی اکثریت ہے ہمارا سلطان بریلوی ہے اس لئے ہماری شرعی عدالت کا فیصلہ چلے گا اور اتنے نمایاں فرق ہیں بنیادی کہ بیک وقت اگر سب کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن کریم اتنے تضادات کا مجموعہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے دیکھ کر کہ ایسے تضاد ایک جگہ سما کیسے گئے؟ ایک نیام میں دو تلواریں تو نہیں سما سکتیں لیکن شیعہ فیصلے اور سنی فیصلے سما جائیں گے؟ بریلوی فیصلے اور دیوبندی فیصلے سما جائیں گے یہ تو ناممکن ہے ان کا اختلاف تو اس سے بھی زیادہ شدید ہے اور پھر یہی نہیں بلکہ اگر آغا خانی عدالت کہیں قائم ہو جائے تو وہ بھی شامل کرنے پڑیں گے فیصلے شریعت کی رو سے اور آغا خانی فیصلوں میں یہ بھی فیصلہ شامل ہے کہ تیس پاروں کا قرآن جو ہے وہ تو Obsolete ہو چکا ہے بوسیدہ ہو گیا ہے ایک دس پاروں کا قرآن جو آغا خانی ائمہ پر نازل ہوا تھا اس کے بغیر بات نہیں بنتی اور قرآن اور سنت کے مقابل پر غِنٰی یعنی گانا کو بگڑا ہوا غِنٰی کہتے ہیں لیکن اصل میں وہ غِنٰی تھا غِنٰی بگڑ کر گِناَ بن گیا ہے۔ تو جو انہوں نے گانے بنائے ہوئے ہیں شریعت کے متعلق ان کا فیصلہ لازمی چلے گا اور وہی غالب آئے گا اور ان فیصلوں میں ایک یہ بات بھی لکھی ہوئی ہے کہ حضرت علیؓ ہی اصل خدا ہیں اگر غلط فہمی نہ ہو چنانچہ کلمہ کے اندر داخل کرلیا گیا ہے اس بات کو کہ فلاں یہ ہے فلاں یہ ہے اور علی اللہ برحق ہے اور جو اس کے خلاف فیصلہ دے گا وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ تو ایک عدالت آغا خانیوں کی بیٹھ کر بھی فیصلے دے گی تو کیا بنے گی شریعت کی حالت؟ اس لئے چارہ نہیں رہتا سوائے اس کے کہ انسان مجبور ہو جائے قرآن کی طرف رجوع کرنے پر اور قرآنی رجوع کے سوا ان مسائل کا کوئی اور حل ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں دو طریق پر شرعی عدالتوں کو قائم فرمایا اور آزاد کر دیا کہ سارے بنی نوع انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں رحمۃ للعلمین یعنی آنحضرت ﷺ پر جو تعلیم نازل ہوئی ہے وہ ایسی عظیم رحمت ہے ساری کائنات کے لئے رحمت ہے کہ اگر انگریز بھی اس پر عمل کرے گا تو وہ بھی شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کرنے کا مجاز ہو جائے گا، اگر یہودی اس پر عمل

کرے گا تو وہ بھی مجاز ہو جائے گا، اگر ہندو اس پر عمل کرے گا تو وہ بھی مجاز ہو جائے گا۔ دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ عدل پر قائم رہو اگر عدل نہیں ہوگا تو پھر شریعت کے ساتھ تمہارے فیصلوں کا کوئی تعلق نہیں۔ دوسرا فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النساء:۶۰) باتوں کو اپنے فقیہوں یا مولویوں کی طرف نہ لوٹایا کرو اگر فیصلہ دیتے وقت تم قرآن اور سنت کی طرف لوٹاؤ گے اور وہیں تک محدود رہو گے تو پھر تمہارے فیصلے قرآن اور سنت کے فیصلے کہلا سکتے ہیں، ایک شرط کے ساتھ کہ وہ تقویٰ کے ساتھ کئے گئے ہوں۔

چنانچہ بار بار تقویٰ کا مضمون بھی ساتھ باندھ دیا جن آیات میں یہ ذکر فرمایا وہاں تقویٰ کا بھی ساتھ ذکر فرمایا۔ تقویٰ شرط ہے، اگر تقویٰ کے ساتھ کرو گے اور دیانتداری کے ساتھ تقویٰ کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن اور سنت کے مطابق بات کرو گے تو تم نافرمان نہیں کہلا سکتے لیکن پھر بھی تمہارا فیصلہ ایسے شخص پر لاگو نہیں ہوگا جس کے نزدیک قرآن اور سنت کچھ اور بات کہہ رہے ہوں۔ یہ بھی ساتھ وضاحت ہوگئی کیونکہ یہ حکم سب مسلمانوں کو عام ہے اور اس کے لئے جو سب سے بڑی سند ممکن ہے پیش کرنی جو بعد کے سب مسلمانوں کو قبول ہونی چاہئے وہ میں اپنے ساتھ رکھتا ہوں وہ میں آپ کو سناؤں گا کہ نبوت کے بعد کوئی اگر شرعی عدالت قائم ہو تو اس کے حقوق کیا ہیں۔

ایک ایسا واقعہ گذرا ہے عالم اسلام میں جب کہ ایک ایسی شرعی عدالت قائم کی گئی تھی جس کو خلیفۂ وقت کی سند حاصل ہوئی اور اس عدالت کے مقابل پر اس عدالت کی جو آج بنی یا کل بن سکتی ہے کوئی حیثیت ہی نہیں اور اس عدالت نے ایک فیصلہ دیا ہوا ہے۔ اور بڑا واضح اور کھلا فیصلہ ہے۔ شرعی عدالت قائم کرتے وقت یہ فیصلہ دیا ہوا ہے کہ اس عدالت کی حیثیت یہ ہے اور حیثیت یہ ہے کہ اگر یہ خلاف بھی فیصلہ دے تو وہ فریق جو یہ سمجھتا ہو کہ قرآن اور سنت کے مطابق فیصلہ نہیں ہے وہ اس فیصلے کا پابند نہیں رہے گا۔ اس سے بڑھ کر شرعی عدالت کیسے قائم ہو سکتی ہے؟ وہ میں شرعی عدالت کا قصہ آپ کو سناتا ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ یعنی اسلام کے چوتھے خلیفہ اور حضرت معاویہ کے درمیان اختلافات کا حال سب کو معلوم ہے۔ یہ اختلافات اتنے شدید ہوگئے کہ جنگ پر نوبت پہنچی اور مسلمان ایک دوسرے کا خون کرنے لگے۔ بڑی ہی تکلیف دہ صورت حال تھی اور آج تک اسلامی تاریخ کا یہ

ایک انتہائی دردناک واقعہ ہے۔آنحضور ﷺ کے وصال کو ایک صدی تو کیا ایک نصف صدی بھی نہیں گزری تھی کہ اس قسم کے شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔شامی فوج جوزیادہ تر خارجیوں پر مشتمل تھی وہ حضرت معاویہ کی حمایت کر رہی تھی اور اہل مدینہ اور دوسرے مسلمان جو زیادہ نسبتاً تربیت یافتہ تھے،آنحضرت ﷺ کو قریب سے دیکھا تھا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے۔عین میدان جنگ میں جب عمرو بن العاص جو اس وقت معاویہ کے ساتھ لڑ رہے تھے انہوں نے یہ دیکھا، بڑے ہوشیار آدمی تھے کہ حضرت علیؓ کی فوج کا پلہ بھاری ہو گیا ہے تو انہوں نے یہ ترکیب پیش کی کہ کیوں نہ قرآن کریم کو حکم بنایا جائے کیونکہ قرآن کریم خود کہتا ہے کہ اختلافات کی صورت میں قرآن کی طرف معاملے لوٹاؤ:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

(النساء:۶۰)

اگر چہ بات بہت اچھی کی گئی تھی لیکن اس کے پیچھے فتنہ مقصود تھا اور جب ان کو یہ خوف پیدا ہوا کہ شاید مسلمان اس بات کو تسلیم نہ کریں۔یعنی حضرت علیؓ کا کیمپ اس کو تسلیم نہ کرے حالانکہ قرآن کا حوالہ دیا جارہا ہے،اس خیال سے کہ اس میں نیت گندی ہے، نام تو بہت پاکیزہ ہے لیکن نام لینے والوں کی نیت بہت گندی ہے۔دوسرے دن انہوں نے یہ ترکیب کی کہ خارجی لشکر نیزوں پر قرآن کریم اٹھا لایا اور نعرے لگانے لگا کر قرآن کریم کو حکم بناؤ قرآن کریم کو حکم بناؤ۔اس کا اتنا جذباتی گہرا اثر پڑا حضرت علیؓ کے ساتھیوں پر کہ بھاری اکثریت ان کی اس سے اثر انداز ہو کر یہ کہنے لگ گئی اور مطالبہ کرنے لگ گئی کہ ہاں لازماً قرآن کو حکم بنایا جائے گا لیکن کیسے حکم بنایا جائے گا؟ اب یہ سب سے مشکل امر جو تھا یہ در پیش آیا۔چنانچہ دونوں کے درمیان ایک طریق کار طے ہوا اور ثالثی لکھی گئی یعنی صرف شرعی عدالت ہی نہیں بنائی گئی بلکہ فریقین نے ثالثی نامے کے طور پر اپنا اپنا نمائندہ اس شرعی عدالت میں مقرر کیا۔یہ جو شرعی عدالت ہے اس میں تو کوئی احمدی نمائندہ نہیں تھا لیکن میں یہ بتاؤں گا کہ نمائندہ ہوتا بھی تب بھی کیا شکل بنتی؟ اس شرعی عدالت کا تو صرف یہ حال ہے جیسے غالب نے کہا تھا:

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

(دیوان غالب صفحہ:۸۰)

یعنی یک طرفہ عدالت اور میں آگے اس گفتگو کو بڑھاؤں گا تو پتہ چلے گا کہ شرعی عدالت

اختلافی مسائل میں ہو ہی نہیں سکتی۔ دنیاوی مسائل میں تو ہو سکتی ہے شرعی اختلافی مسائل میں کوئی شرعی عدالت دنیا میں قائم ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ اس مثال سے بھی آگے میری بات واضح ہو گی۔ بہر حال حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو مقرر کیا گیا جب کہ خود حضرت علیؓ کا دل اس پر پوری طرح مطمئن نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت ابن عباسؓ کو اپنا نمائندہ بنانا چاہتے تھے لیکن مشکل یہ درپیش ہوئی کہ دوسرے بہت سے ساتھیوں نے کہا کہ نہیں ابو موسیٰ اشعریؓ کو ہونا چاہئے اور حضرت علیؓ نے یہ کہا بھی کہ وہ ویسے بڑے بزرگ آدمی ہیں لیکن دماغی حالت ایسی نہیں ہے، سادہ ہیں مزاج کے اور ڈر رہے مجھے کہ وہ سادگی کی وجہ سے کہیں خواہ مخواہ قابو نہ آ جائیں۔ مقابل پر عمرو بن العاصؓ بہت ہوشیار آدمی ہیں بہر حال عمرو بن العاصؓ دوسرے فریق کی طرف سے ثالث مقرر ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ۔

اب دیکھئے! کہ یہ وہ سنگم ہیں جہاں سلطانی بھی ابھری تھی اور خلافت بھی موجود تھی۔ وہ لوگ جو سلطانیوں کی باتیں کرتے ہیں اس سے بڑا سلطان اس کو پیش نہیں کر سکتے جو صحابہ میں سے ہو اور آج تک جس کے لئے ایک بہت بھاری طبقہ، دلیل ہاتھ میں ہو یا نہ ہو، حمایت میں بہت کچھ کہہ رہا ہے۔ تو سلطان میں اس سے بڑا سلطان نہیں لا سکتے اور خلافت راشدہ موجود تھی اس میں شیعوں کا بھی اتفاق ہے اور سُنیوں کا بھی اتفاق ہے، ایک بھی مسلمان نہیں جو اختلاف کرے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ راشد نہ تھے۔ تو اگر کسی خلیفہ کو حق ہے شریعت کی عدالت بنانے کا تو حضرت علیؓ کو ضرور تھا۔ اگر کسی سلطان کو حق ہے تو اس سلطان کو ضرور تھا جو پہلا سلطان تھا اسلام میں اور پھر دونوں کا اتفاق ہو گیا۔ اب تو کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ شرعی عدالت قائم ہو گئی اور فیصلہ یہی ہے کہ قرآن اور سنت سے فیصلہ ہو گا۔ فیصلہ کیا ہوتا ہے اس سے پہلے وہ عہد نامہ جو لکھا جاتا ہے وہ میں آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں عہد نامہ کے الفاظ یہ ہیں یعنی ان کا اردو ترجمہ:

> ''علیؓ اور ان کی جماعت نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو اور معاویہؓ اور ان کی جماعت نے عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا ہے۔ یہ دونوں کسی فریق کی رورعایت کے بغیر امت کی خیر خواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے''

وہی بات فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ’’سنت رسول اللہ کے مطابق جو فیصلہ کر دیں گے وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا‘‘۔اس میں کسی خلیفہ کا حوالہ بھی نہیں آیا پہلے حالانکہ تین خلفا گزر چکے تھے، کسی اور عالم کے حوالے کو تسلیم نہیں کیا گیا صرف قرآن اور سنت ہی کافی ہے اس کے بغیر ہم فیصلہ نہیں مانیں گے۔ جو فیصلہ کر دیں گے وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا یہ الفاظ ہیں:

’’اور جو فریق اس کے ماننے سے انکار کرے گا حَکم اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق کو مدد دیں گے‘‘۔

اب ’’لیکن‘‘ شروع ہو جاتا ہے یہ وہ فقرے ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود داخل کروائے۔

’’لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنّت رسول ﷺ کے خلاف ہو یا اس میں کسی فریق کی جنبہ داری پائی جائے (یعنی عدل نہ ہو) تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہوگی‘‘۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بہت گہری قرآن کی فراست تھی، اتنی حیرت انگیز کہ آپؓ کے اقوال تفاسیر کے مضمون پر ملتے ہیں ان کو آپ پڑھیں تو ایک خزانہ ہے، ایک سمندر ہے موتیوں کا چنانچہ یہ دونوں باتیں لکھوانا عین قرآن کے مطابق تھا گویا جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا کہ شرعی عدالت ان معنوں میں قائم ہو ہی نہیں سکتی کہ اس کا فیصلہ ہر فریق کو پابند ہو خواہ وہ فریق خود قرآن کی وہ تشریح نہ سمجھتا ہو جب تک اس کا دل مطمئن نہ ہو جائے اس فیصلے کو سن کر کہ قرآن واقعی یہ کہہ رہا ہے اس وقت تک وہ پابند نہیں ہوگا کسی فیصلہ کا تو گویا شرعی عدالت کی حیثیت صرف مشیر کی ہوگی اس سے زیادہ تو حیثیت ہی کوئی نہ رہی۔ جتنے اختیارات اس کو دے بیٹھے تھے وہ اگلے فقرے نے سارے چھین لئے۔

’’ایسی صورت میں ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہوگا فیصلہ کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی رکھی جائے گی اور کامل امن وامان قائم رہے گا۔ اگر فیصلہ کے اعلان سے قبل دونوں امیروں یا حَکموں میں سے کوئی

امیر یا حَکَم مر جائے تو اس کی جماعت کو اس کی جگہ دوسرے امیر اور حَکَم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا، دونوں حَکَموں کی جان اور مال محفوظ رہے گا۔ رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہو جانا چاہئے لیکن اگر حَکَم اس میں کچھ تاخیر کرنا چاہیں تو اس مدّت میں توسیع کر سکتے ہیں''۔

اب سنئے فیصلہ! جیسا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا وہی واقعہ ہوا حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک بات طے کی اپنے ساتھی حَکَم سے اور سادگی میں الگ الگ فیصلہ سنایا دونوں نے اور حضرت ابوموسیٰ کو کہا عمرو بن العاصؓ نے کہ پہلے تم فیصلہ سنادو میں بعد میں سناتا ہوں اور سنئے ابوموسیٰ اشعریؓ کا سادگی کا فیصلہ بالکل درست ہے اس لحاظ سے کہ دونوں کا فیصلہ یہ تھا یہ درست ہے بات لیکن فیصلہ فی ذاتہٖ شریعت کے خلاف ہے وہ اس بات کو سمجھ نہیں سکے۔

''امّا بعد، لوگو! ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا، اس امت کے اتفاق اور اتحاد اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے''۔

حالانکہ خلیفۂ برحق اگر دونوں میں سے کوئی ایک تھا تو اس کو تو معزول کر ہی نہیں سکتا انسان۔ وہ تو خدا کی پہنائی ہوئی چادر ہے اور اگر تھا ہی نہیں تو معزول کس کو کر رہے ہو؟ پھر کوئی اور ہونا چاہئے۔ موجود ہوگا کوئی اور تو شریعت کے لحاظ سے تو کوئی یہ فیصلہ نہیں ہے لیکن اس لحاظ سے ضرور ہے کہ دونوں کا متفقہ یہی فیصلہ تھا۔

''عام مسلمان جسے اہل سمجھیں اسے منتخب کر لیں اس لئے میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ''۔

یہ تو فیصلہ ہو گیا حضرت ابوموسیٰؓ کا اب عمرو بن العاصؓ کی باری آئی ان کا فیصلہ سنئے:

''اما بعد لوگو! ابوموسیٰؓ کا فیصلہ آپ لوگوں نے سن لیا انہوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں''۔

جو ڈر تھا حضرت علیؓ کو وہی ہوا کہ وہ بہت ہوشیار آدمی ہے یہ سادہ آدمی اس کو بنا دے گا اور بجائے اس کے کہ متفقہ فیصلہ لکھ کر اکٹھے دستخط کرتے اور وہ سنایا جاتا الگ الگ فیصلہ اور پھر پہلے

ابوموسیٰؓ سنائے بعد میں مَیں سناؤں گا اسی میں سارا وہ داؤ کھیل گئے۔

''اُنہوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں اس لئے ان کی قائمقامی کے یہ سب سے زیادہ مستحق ہیں''۔

یہ فیصلہ جب ہوا تو آخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جو فیصلہ نامہ میں دخل دے کر اس میں احتیاطی پہلو کو اختیار کرنا تھا وہ موقع پر کام آ گیا۔ اگر وہ عبارت حضرت علیؓ بیچ میں نہ لکھواتے تو بہت خطرناک فساد پیدا ہو جانا تھا اگر خلافت کا مسئلہ بھی اُٹھ کھڑا ہوتا اور پھر حضرت علیؓ اگر مانتے تو حیرت انگیز بات ہوتی کہ خدا کا مقرر کردہ خلیفہ ایک انسان کے بنائے ہوئے خلیفہ کے سامنے سر جھکا رہا ہے اور نہ مانتے تو نعوذ باللہ جھوٹے کہلاتے کہ عہد کیا، عدالت میں پیش ہوئے اور پھر فیصلے کا انکار کر کے باہر آ گئے۔ حضرت علیؓ کا تبصرہ اس پر سنئے۔

''جنہیں حَکم بنایا تھا، انہوں نے اپنے نفس کی پیروی کر کے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا اس لئے ہم نے اس فیصلہ سے براءت ظاہر کی اور اب پھر اپنی پہلی حالت پر آ گئے۔ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ میں نے سرپنچوں سے شرط لی تھی کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ میں نے تم کو اسی وقت آگاہ کر دیا تھا کہ تحکیم کی تجویز محض فریب ہے لیکن تم ہی نے اس کو قبول کرنے پر اصرار کیا۔ میں نے اسی شرط پر اسے منظور کیا تھا کہ دونوں حَکم اس چیز کو زندہ کریں گے جسے قرآن نے زندہ کیا ہے اور اس کو ختم کریں گے جسے قرآن نے ختم کیا ہے لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لئے اس شرط کے مطابق یہ فیصلہ قابل قبول نہیں۔''

تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اور قرآن کو ایک بڑے فتنے سے بچا لیا اور آئندہ کے لئے شرعی عدالتوں کی حیثیت کو ہمیشہ واضح فرما دیا۔ اب کبھی بھی اس بات میں کسی مسلمان کے لئے اشتباہ کی گنجائش نہیں خواہ وہ خلافت کا قائل ہو خواہ وہ سلطانی کا قائل ہو اور وہ سلطان جسے دوسرے تسلیم نہ

کرتے ہوں یہ بحث نہیں ہے وہ جسے خود تسلیم کرتے ہوں ان کے فیصلوں اور ان کے بنائی ہوئی عدالتوں کے اوپر بھی اب یہی فیصلے چلا کریں گے ہمیشہ کیلئے اس کے سوا اور کوئی فیصلہ نہیں چلے گا ورنہ نہ وہ سلطانی کے قائل رہیں گے نہ وہ خلافت کے قائل رہیں گے۔

تو تاریخ اسلام کا ایک ہی وہ مقام ہے جہاں خلافت اور سلطانی کا سنگم ملتا تھا اور اس مقام پر ایک شرعی عدالت قائم ہوئی تھی اس شرعی عدالت کی کیا حیثیت تھی یہ ہمیشہ کے لئے بات کھل چکی ہے اور اس سے بڑھ کر اس شرعی عدالت کو کوئی حیثیت نہیں دی جاسکتی ، اس سے بہت ادنیٰ حیثیت ہے، نہ ان کا فقہ کا وہ مقام، نہ انہوں نے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سے تربیت پائی ، اپنے علم ، اپنے مرتبہ، اپنی حیثیت ، اپنے تقویٰ کسی لحاظ سے بھی اگر کہا جائے کہ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگا تیلی تو ان کو اس سے ناراضگی نہیں ہوگی ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ سمجھتے ہیں اپنا مقام اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقام سمجھتے ہیں اور اس کے مقابل پر ان کی قائم کردہ عدالت کو دیکھ کر یقیناً کہیں گے کہ اس مثال سے بھی ہماری عزت افزائی ہوئی ہے راجہ بھوج سے گنگا تیلی کو یا گنگو تیلی کو کوئی نسبت تھی لیکن ہمیں تو ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ سے تو وہ بھی نسبت نہیں اگر ان میں کچھ تقویٰ ہو تو یہ بات مانیں گے تو جو ان کی حیثیت نہیں تھی وہ تمہاری حیثیت کہاں سے ہوگئی ؟ جو قرآن اور سنت نے ان کو اختیار نہیں دیا تھا وہ تمہیں کہاں سے اختیار حاصل ہو گیا ؟

اب ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شرعی عدالت کا جو دائرہ کار ہے اس کے لحاظ سے شرعی عدالت ، عدالت تو جیسا کہ بیان کیا ہے یہ نام ہی فرضی ہے کوئی حقیقت ہی نہیں اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے ہی نہیں ۔حکم ہو سکتے ہیں لیکن حکم میں تو فریقین ہونے چاہئیں لیکن جو بھی مزعومہ طور پر شرعی عدالت قائم کی بھی جائے تو میں اس لحاظ سے شرعی عدالت کہہ رہا ہوں یہ نہیں کہ مجھے تسلیم ہے یہ کوئی شرعی عدالت ،تو شرعی عدالت کے دو طرح کے دائرہ کار ہیں ایک ہے دنیاوی امور اور معاملات میں فیصلہ کرنا اور ایک ہے اختلافی امور یعنی عقائد کے لحاظ سے فیصلہ دینا۔ جہاں تک معاملات کا تعلق ہے اس کی تو اس واقعہ سے کچھ سند حاصل کی جاسکتی ہے جو میں نے بیان کیا لیکن اعتقادی امور میں تو کسی شرعی عدالت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اعتقادی اختلافات میں تو صرف ایک فیصلہ کرنے والا ہے اور وہ اللہ ہے اور اس کی عدالت قیامت کے دن لگے گی۔

دوقسم کے اختلافی امور ہیں میں اس کی وضاحت کر دوں۔ جہاں دنیا کے دیگر مذاہب کا تعلق ہے ایک بھی واقعہ نہیں کہ آنحضور ﷺ نے دوسری شریعتوں میں، دوسرے کے معاملات میں ان کے مذاہب میں دخل دیا ہو۔ ہاں اسلام کا جہاں تک تعلق ہے آپ آخری فیصلہ کرنے والے تھے اور آپ کا حکم معاملات میں بھی اُسی طرح چلتا تھا جس طرح اعتقادات میں چلتا تھا اسی لئے قرآن کریم نے تنازعہ کے وقت اللہ یعنی کتاب کے بعد رسول یعنی سنت کو شامل فرما دیا۔ یہ حیثیت ہے آنحضور ﷺ کی۔ اس حیثیت کے بعد جہاں تک اعتقادات کا تعلق ہے اس کا شریعت اسلامیہ کے اندر رہتے ہوئے بھی اگر کسی کو حق ہوسکتا تھا تو خلافت کو ہوسکتا تھا اس کے سوا کسی کو حق نہیں کیونکہ خلافت ایک مرکزی حیثیت ہے جس کے ساتھ سارا عالم اسلام منسلک ہوتا ہے۔ خلافت کے بعد پھر اعتقادی امور میں کسی کا کوئی حق کسی قسم کا بھی نہیں بنتا یعنی اندرون اسلام بھی نہیں بنتا کجا یہ کہ اپنے سے باہر جا کر فیصلے دے۔ یہ ہے شرعی حیثیت عدالت کی اگر عدالت صحیح ہو اور وہ سلطان درست ہو جس نے عدالت قائم کی ہو ان شرطوں کے ساتھ اس حیثیت سے جب ہم غور کرتے ہیں تو امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس کے سوا جو میں نے فیصلہ قرآن اور سنت پر مبنی اپنی رائے ظاہر کی ہے اسکے سوا کوئی صورت بن سکتی ہی نہیں۔ عقلاً آپ زور لگا کر دیکھ لیں اس کے سوا کوئی صورت نہیں بنتی۔

اسلام کے دائرہ میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا اور خلفاء راشدین کے سوا کسی کو فیصلہ دینے کا حق بن ہی نہیں سکتا۔ جہاں تک اعتقادی اختلافات کا تعلق ہے، جہاں تک معاملاتی اختلاف کا تعلق ہے وہ فیصلے جاری رہتے ہیں اور رہے ہیں آئندہ بھی جاری رہیں گے۔ اگر فرض کریں کہ آپ یہ کہیں کہ نہیں بن سکتا ہے تو ہم پھر اس کو عملاً بنا کر دیکھتے ہیں کیسے بنے گا؟ پھر سمجھ آ جائے گی بات کی۔ اعتقادی اختلاف سے مراد ہے فرقہ وارانہ اختلاف کیونکہ فرقے اعتقاد پر بنے ہیں۔ ان کے اختلاف کے نتیجے میں بنے ہیں نہ کہ معاملات پر اس لئے ایک شیعہ فرقہ ہے، ایک بریلوی فرقہ ہے، ایک یہ سنی ہے ایک دیوبندی اور اہلحدیث اور ایک بریلوی۔ ان چاروں کو مدنظر رکھ کر دیکھیں کوئی عدالت ایسی ہوسکتی ہے شرعی جو یہ فیصلہ دے کہ شیعہ عقیدہ درست ہے اور سنی غلط ہے یا اہلحدیث کا عقیدہ درست ہے اور بریلوی غلط ہے یا اس کے برعکس بنا کر دکھایئے کوئی عدالت ایسی عدالت بن سکتی نہیں کیونکہ یا تو آپ ان میں سے کوئی ایک کو چنیں گے یعنی فیصلے کے لئے یا شیعوں کو چن لیں گے

یہ شیعہ جج ہیں یہ فیصلے دیں گے کہ سنی ٹھیک ہیں یا شیعہ ٹھیک ہیں یا اہلحدیث کو چن لیں گے کہ وہ فیصلہ دیں بریلوی ٹھیک ہیں یا کہ اہلحدیث اور جب وہ اہلحدیث اور بریلوی ملا کر فیصلہ دیں اگر تو اول تو کسی اہلحدیث کو یہ قبول نہیں ہوگا نہ کسی بریلوی کو یہ قبول ہوگا کہ برابر کی تعداد میں دونوں جج فیصلہ دیں اور اگر شریعت کے معاملے میں اعتقادی لحاظ سے یہ مان لیا جائے تھوڑی دیر کے لئے کہ ایک عدالت قائم ہوگئی جس میں دو ان کے اور دو ان کے نمائندہ ہوگئے تو جس وقت کوئی نمائندہ اگر وہ پہلے اہلحدیث تھا وہ بریلوی خیال کا اظہار کرے گا تو فوراً شور مچا دیں گے وہ لوگ کہ تم تو بریلوی ہو گئے ہو اس لئے عدالت کا تناسب بگڑ گیا۔ اب تین بریلوی رہ گئے ہیں ایک اہلحدیث رہ گیا چار میں سے اور اگر کوئی بریلوی عالم جس کو عدالت میں بٹھایا گیا ہو وہ اہلحدیث کے حق میں فیصلہ دے تو کیا وہ سارا بریلوی فرقہ مان لے گا؟ ہرگز نہیں۔ وہ کہیں گے یہ اہلحدیث ہو گیا ہے اس لئے اس کا فیصلہ قابل قبول نہیں۔ تو جج جب بھی کوئی فیصلہ دے شریعت کے معاملے میں اعتقادی لحاظ سے اس کا فیصلہ اس فرقے قبول ہو ہی نہیں سکتا نہ کبھی ہوا ہے آج تک۔

چنانچہ اگر یہ عدالت مثلاً احمدیوں کے حق میں کوئی فیصلہ دیتی تو لوگوں نے کہنا تھا کہ یہ تو احمدی ہو گئے ہیں ان کو فارغ کرو ایک اور عدالت بٹھاؤ کیونکہ انہوں نے جب احمدی عقیدہ مان لیا تو یہ تو پارٹی بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ عدالت بار بار یقین دلاتی رہی اپنے مولویوں کو دیکھ دیکھ کر کہ ہم پانچوں کا سو فیصدی عقیدہ ہے کہ احمدی دائرہ اسلام سے خارج ہیں گویا اپنا پارٹی ہونا تسلیم کر لیا تو جب تم چلے ہی اس مفروضے سے ہو کہ تم ایک پارٹی ہو تو تمہارا عدلیہ کا حق کہاں رہا باقی؟ پارٹی تو فیصلے نہیں دیا کرتی اس لئے مذہبی امور میں کوئی عدالت قائم ہو ہی نہیں سکتی سوائے نبی کی عدالت کے جو خدا سے علم پا کر فیصلہ دیتا ہے۔ جو نبوت کا دعویدار نہ ہو وہ عدالت قائم نہیں کر سکتا اور نبوت کا فیصلہ خدا آپ ہی منواتا ہے پیچھے پڑ کر، زبردستی آسمان کی قضا نازل ہو کر منواتی ہے اس لئے کوئی مانے نہ مانے وہ منوایا جاتا ہے، لیکن دنیا کی عدالتوں کے فیصلے تو منوانے والا ہوتا ہی کوئی نہیں، دو چار دن کسی کا ڈنڈا چل گیا دو چار دن کسی اور کا ڈنڈا چل گیا یہ اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے دنیا میں۔ اس لئے شرعی عدالت میں اعتقادی امور میں، یہ بار بار میں کہہ رہا ہوں اعتقادی امور میں، ایک مذہب کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے کسی کو سوائے نبی کے اختیار نہیں ہے یا اس کی نمائندگی میں اگر برحق نمائندہ ہو اس کے خلفا تک

زیادہ سے زیادہ حق جا سکتا ہے کہ وہ کوئی فیصلہ دے اور دیگر مذاہب میں تو کسی کا حق بنتا ہی نہیں۔ اس کے متعلق تو قرآن کریم نے نہ آنحضرت ﷺ کو مقرر فرمایا اور نہ آپؐ نے یہ بات کی دائرہ اسلام کے اندر رہتے ہوئے آپ نے جو فیصلے دیئے ہیں۔

پس اگر کوئی اور فریق ایسا آجائے شرعی عدالت کے سامنے جس کو مسلمان ہی نہ سمجھتے ہوں تو ان کے بارے میں پھر وہ کیسے فیصلے دیں گے؟ قرآن اور سنت کی رو سے وہ کہہ سکتے ہیں، مثال ایک دے سکتے ہیں کہیں گے کہ ٹھیک ہے، ایک مین میخ نکالی جاتی ہے، اس کو بھی میں واضح کر دوں کہ جب یہ کوئی اُٹھائے مسئلہ کو تو اس کا یہ جواب ہے۔ جماعت احمدیہ نے اول تو اس کی شرعی حیثیت کوئی تسلیم نہ کی، جو احمدی گئے وہ یہ کہتے ہوئے گئے ہیں کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے ہم قرآن کو تسلیم کریں گے تمہیں تسلیم نہیں کریں گے اور جب کوئی یہ کہے کہ میرے نزدیک قرآن یہ کہتا ہے تو اس وقت حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں عدالت تمہارے خلاف بھی دے تو تم نے قرآن کے فیصلے کو پکڑنا ہے عدالت کی کوڑی کی بھی پرواہ نہیں خواہ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کا خون ہو جائے خواہ ایسا اختلاف ہو کہ وہ جاری ہو جائے ہمیشہ کے لئے لیکن قرآن کو نہیں چھوڑنا اگر تم سمجھتے ہو کہ قرآن یہ کہتا ہے تو تم نے قرآن کو پکڑ لینا ہے اس لئے وہ مثال یہاں نہیں آتی یہ مثال صادق آتی ہے تو اس لحاظ سے جماعت احمدیہ کا یہ موقف بڑا واضح ہے۔

تمہاری جو حیثیت قرآن مقرر کرتا ہے پہلے سلطان کی تو کر لو جب سلطان بن جائے گا تو پھر اگلی بات ہوگی۔ اگر سلطان کی بھی حیثیت کوئی نہیں تو پھر تمہاری حیثیت کیا ہے؟ اور اگر تمہاری ہو بھی اور اتنی بڑی حیثیت بھی ہو جائے کہ حضرت علیؓ نے تمہیں مقرر فرمایا ہو اور معاویہؓ نے صاد کیا ہو تب بھی اگر قرآن کے خلاف تمہارا فیصلہ ہوگا تو ایک بھی فریق اس فیصلے کو نہیں مانے گا آزاد ہے ہر فریق۔ اس حیثیت سے جو بھی فیصلے کی حیثیت بنتی ہے اس کو دیکھ لیجئے۔ ان امور میں فیصلہ کی حقیقت یہ ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں کر سکتا چنانچہ قرآن کریم اس معاملہ میں بڑی واضح تعلیم دیتا ہے فرماتا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۞

(الانعام:۵۸)

کہ جہاں تک سچائی کا معاملہ ہے، حق کا معاملہ ہے سوائے اللہ کے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں

ہے۔ وہی حق بیان فرماتا ہے اور وہی کھول کر بتاتا ہے کہ حق کس کے ساتھ ہے اور اس کو طاقت بھی ہے۔ فیصلے کے ساتھ طاقت کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی ایسا فیصلہ جو صرف مشورہ ہی ہو اس کی حیثیت ہی کوئی نہیں رہ جاتی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں جو فیصلہ دیتا ہوں پھر مجھے طاقت ہوتی ہے کہ میں اسے نافذ کر کے دکھاؤں اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۳﴾ (الانعام: ۶۳) خدا جب فیصلے کیا کرتا ہے تو پھر وہ حساب بھی کرتا ہے اس کے ساتھ اور سب سے زیادہ تیز حساب کرنے والا پھر اللہ ہے اور یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی زبان سے مخالفین کو یہ کہلوایا کہ جہاں تک مذہبی امور میں اختلافات کا تعلق ہے جو تجھے تسلیم نہیں کرتے ان کے اور تیرے درمیان خدا کے سوا کوئی اور فیصلہ کر ہی نہیں سکتا ایسی صورت میں:

فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۸﴾

(الاعراف: ۸۸)

ایک ہی اعلان ہو سکتا ہے کہ صبر کرو اللہ فیصلہ کرے گا اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ پس یہ ہے جماعت احمدیہ کا موقف اور ہر احمدی کو یہی کہنا چاہئے اپنے مد مقابل کو کہ اللہ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۳﴾ ہے وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اس لئے تم صبر کرو اور دیکھنا کہ خدا کی تقدیر کس کو سچا ثابت کرتی ہے اور کس کو جھوٹا ثابت کرتی ہے۔ ایک عدالت آج لگی ہے ایک قیامت کے دن لگے گی وہاں پتہ نہیں کہ کون کون سے سلطان سامنے ہوں گے اور کون کون سے نہیں ہوں گے اور کس قسم کی شرعی عدالتیں ہوں گی اور کیا حالت ہوگی ان کی اپنی؟ اس وقت یہ معاملات پیش ہوں گے اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ کچھ فیصلے دنیا میں بھی دے گا اور ہمیں علم ہے کہ ضرور دے گا لیکن آخری فیصلہ وہی ہے جو قیامت کے دن ہوگا، اس دن پتہ چلے گا کہ کون سچے تھے اور کون خدا کی رحمت کے سائے تلے زندگی بسر کیا کرتے تھے اور کون خدا کے غضب کے تلے زندگی بسر کرنے والے تھے لیکن ان کو علم نہیں تھا کہ وہ کس حالت میں زندہ رہ رہے ہیں۔

بعض پہلو اس کے ایسے ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ اگلے خطبہ میں بیان کروں گا۔ دو قسم کے احکام میں نے بیان کئے ہیں، ایک وہ جو عدلیہ سے تعلق رکھتے ہیں قرآن کریم کے اور ایک وہ جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں دونوں جگہ بنیادی شرط عدل کی قائم فرمائی۔ تو عدالت نے کس قسم کا عدل قائم کیا اور

حکومت کس قسم کے عدل قائم کر رہی ہے جب یہ بات کھول دی جائے گی تو پھر سب کو پوری طرح پتہ چل جائے گا کہ ان فیصلوں کی حیثیت کیا ہے کیونکہ وقت نہیں ہے اس لئے میں انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبہ میں اس پہلو پر روشنی ڈالوں گا کہ جہاں تک عدل کا تعلق ہے واقعةً کیا ہوا ہے؟ یہ بحث تو صرف قانونی تھی کہ قرآن کیا حق دے رہا ہے اور کیا نہیں دے رہا؟ آئندہ خطبہ میں میں انشاء اللہ بتاؤں گا کہ عدل کیا ِکیا گیا ہے اور قرآن کی رو سے عدل کا کیا تصور قائم ہوگا اور یہ عدل دونوں پہلوؤں سے کیا حیثیت رکھتا ہے پاکستان میں عدلیہ کے لحاظ سے بھی اور حکومت کے لحاظ سے بھی۔

خطبہ ثانیہ کے دوران فرمایا:

جماعت کے ایک بہت دعا گو صاحب کشف والہام بزرگ ماسٹر محمد بخش صاحب سولنگی وفات پا گئے ہیں اور ان کے بیٹے کا خط آیا ہے کہ ان کی بڑی گہری خواہش تھی جس کا بار ہا تذکرہ کر چکے تھے کہ ان کا جنازہ میں پڑھاؤں ویسے بھی چونکہ ان کا جماعت میں ایک خاص نیکی کا مقام ہے میری اپنی بھی یہ خواہش ہوتی کہ میں ان کا نماز جنازہ پڑھاؤں۔علاوہ ازیں ایک سلسلہ کے پرانے خادم سیالکوٹ کے جن کا سارا خاندان خدا کے فضل سے اخلاص میں بہت پیش پیش ہے مکرم خواجہ عبدالرحمان صاحب وہ بھی وفات پا گئے ہیں تو ان دونوں کی نماز جنازہ جمعہ کے بعد ہوگی۔